© rasailojaraid.com

شیخ الحدیث حافظ مولانا عبدالعزیز علوی
جامعہ سلفیہ فیصل آباد

فاتحہ خلف الامام کے متعلق چند سوالات
اور ان کے جوابات

سوال نمبر(۱):

"جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ"۔

(سورۃ الاعراف)

علمائے احناف کے نزدیک یہ آیت نص ہے کہ فاتحہ خلف الامام پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

کیا یہ درست ہے؟

جواب نمبر(۱):

علمائے احناف کی طرف سے سب سے بڑی دلیل جو فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی ممانعت کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے، یہی ہے۔ لیکن اس کے لئے لازم ہے کہ پہلے یہ چار باتیں ثابت کریں

کہ:

۱۔ یہ آیت مقتدی کے بارے میں ہے۔

۲۔ اس آیت میں مقتدی کو قرأت سے روکا گیا ہے۔

۳۔ سماع اور انصات آہستہ پڑھنے کے منافی ہے۔

۴۔ اس آیت کی مخصص کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے، جس سے فاتحہ کو مستثنیٰ کیا جاسکے۔

پہلی بات: کہ یہ آیت مقتدی کے بارہ میں نازل ہوئی ہے، تو اس آیت کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ اس کا قرأت فی الصلوٰۃ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ آیت مبارکہ کافروں سے خطاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہوئے' قرآن سے مستفید ہونے کا طریقہ بیان کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے ۔ اس کا سیاق و سباق اور موقع و محل بتاتا ہے کہ اس کا نماز یا مقتدی سے کوئی تعلق نہیں ۔۔۔ کیونکہ اس سے پہلی آیت ہے :

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۔

"اور جب آپ ﷺ ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے تو کہتے ہیں اسے کیوں نہ گھڑ لائے ؟ کہہ دیجئے' بس میں تو اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے ۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آنکھیں کھول دینے والی آیات اور ہدایت اور رحمت ہیں' ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ۔"

اس آیت میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ جب کبھی کسی حکمت و مصلحت کے تحت وحی کے آنے میں تاخیر ہوتی ہے' یا کفار کے مطالبہ پر آپ ﷺ ان کا مطلوبہ معجزہ نہیں دکھاتے تو وہ آپؐ کو طعنہ دیتے ہیں کہ جب آپؐ نے سارا قرآن گھڑ لیا ہے تو اب کوئی آیت کیوں نہیں گھڑ لیتے ؟ یا یہ بات کہتے ہیں کہ قرآن کو تو آپؐ ادھر ادھر سے چھانٹ کر' جوڑ جاڑ کر اس دعوٰی کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں کہ یہ وحی ہے' لیکن ہمارا معجزہ لانے کا مطالبہ پورا نہیں کرتے ؟ ۔ معجزہ چونکہ چھانٹنے کی چیز نہیں ہے اس لئے آپؐ ہمارا یہ مطالبہ پورا نہیں کر سکتے ۔ اس پر نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار کے طعن و تشنیع کا یہ جواب دینے کا حکم دیا گیا کہ پیغمبر کا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے اللہ پر افترا باندھے یا لوگوں کے کہنے سننے سے اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز مانگے جس کا دینا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے منافی ہو ۔ اس کا منصب تو بس یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اس کی طرف وحی کرے اس کو قبول کرے' اس پر عمل پیرا ہو اور دوسروں تک اسے وضاحت کے ساتھ پہنچا دے ۔ تم اس چیز کو گھڑی ہوئی کہہ رہے ہو جو تمہارے رب کی طرف سے آنکھوں اور دوسروں کے پردے اٹھا دینے والی آیات ہیں اور تمہارے لئے ایمان لانے کی صورت میں ہدایت و رہنمائی اور وسیلہ رحمت ہیں ۔ اگر تمہیں معجزہ ہی مطلوب ہے تو اس قرآن سے بڑھ کر کون سا معجزہ ہو سکتا ہے ؟ لیکن یہ نافع صرف ان لوگوں کے لئے ہے' جو اس سے فائدہ اٹھانے کی اپنے اندر صلاحیت و استعداد پیدا کر لیں ۔

اس کے بعد قرآنی ہدایت اور بصیرت سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ بتا دیا کہ جب تمہیں قرآن سنایا جائے تو اس کو توجہ اور خاموشی سے سنو تاکہ تم قرآن کی فصاحت و بلاغت سے آگاہ ہو سکو' اور اس کے اندر جو خیرِ کثیر اور بے شمار علوم ہیں ان کا احاطہ کر سکو ۔ اور تمہیں پتہ چلے کہ قرآن ایک ایسا معجزہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی صداقت و سچائی پر دلالت کرتا ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کی موجودگی میں کسی اور معجزہ کے مطالبہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم رحمت الٰہی کا مورد محل بنو گے اور تمہیں ایمان لانے کی توفیق نصیب ہوگی۔ اس طرح اس آیت میں درحقیقت کفار کے اس غلط رویہ کی نشاندھی کر کے اصلاح کی گئی ہے، جو سورۃ حٰم السجدۃ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

"وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ"

"کافر کہتے ہیں اس قرآن کو نہ سنو اور اس کی قرات کے وقت شوروغل کرو تاکہ تم غالب آجاؤ"۔

کفار کی اس غلط روش کے بارے میں فرمایا کہ یہی جاہلانہ روش تمہیں رحمت الٰہی سے محروم کر رہی ہے، اس سے باز آجاؤ اور صحیح طرز عمل اختیار کرو۔ اور "لَا تَسْمَعُوْا" نہ سنو) کی بجائے "فَاسْتَمِعُوْا" (کان دھرو) "وَالْغَوْا فِيْهِ" یعنی اس کی قرآت میں شوروغل کی بجائے "اَنْصِتُوْا" خاموشی اختیار کرو۔ اور "لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ" غالب آنے کی حماقت کی بجائے "لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" رحمت کا مستحق بننے کی کوشش کرو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔ اس طرح موقع و محل اور سیاق و سباق کی روشنی میں سورۂ اعراف کی اس آیت کا فاتحہ خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں۔ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے فاضل بزرگ اور مفسر قرآن پیر کرم شاہ بھیروی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب حضورِ اکرمؐ قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے تو کفار شوروغل مچاتے، نہ خود سنتے اور نہ اوروں کو سننے دیتے، اگر کسی آیت کے متعلق وہ فرمائش کرتے اور وہ پوری نہ کی جاتی تو از روئے طعن حضور ﷺ کو کہتے، جیسے خود بخود نبی بن بیٹھے ہو، اسی طرح ایک آیت بھی اپنی طرف سے بنا کر پیش کردو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اسے غور سے سنو، اس کے سننے سے کچھ بعید نہیں کہ رحمتِ الٰہی کے دروازے تم پر کھل جائیں اور تم اس دعوت حق کو قبول کرنے کے لئے اپنے سینہ کو نشرح پاؤ اور بہت ممکن ہے کہ قرآن کے معنوی حسن سے متاثر ہو کر تمہیں یقین ہو جائے کہ یہ کسی انسان کا نہیں بلکہ ربّ ذوالجلال کا بلاغت نظام کلام ہے"۔

(سورۃ الاعراف حاشیہ نمبر ۲۶۴)

اسی طرح دیو بندی مکتب فکر کے فاضل بزرگ مولانا دریا آبادی مرحوم اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

روایت کے مخاطب، ظاہر ہے کہ کفار منکرین ہیں۔ اور مقصود اصلی یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب قرآن بغرضِ تبلیغ وغیرہ پڑھ کر تم کو سنایا جائے تو اسے توجہ و خموشی کے ساتھ سنو تاکہ اس کا معجزہ ہونا اور اس کی تعلیمات کی خوبیاں تمہاری سمجھ میں آجائیں اور تم ایمان لا کر مستحقِ رحمت ہو جاؤ۔ اصل حکم تو اس قدر تھا' لیکن علماء حنفیہ نے اس کے مفہوم میں توسیع پیدا کر کے اس سے حالتِ نماز میں مقتدی کے لئے قرآنی سورۃ الفاتحہ کی ممانعت بھی نکالی ہے"۔

(تفسیر ماجدی' سورۃ الاعراف نمبر ۲۹۹)

چنانچہ جو انسان بھی اپنے فقہی مسلک اور تقلیدی جمود سے خالی الذہن ہو کر اس آیت کے سیاق و سباق کی رو سے اس آیت پر غور کرے گا' اس پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ اس آیت کا نماز میں قرأت خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں۔ رہا استنباط و استخراج کا مسئلہ تو ایسا استنباط کیا وقعت رکھتا ہے کہ جو نہ صرف صحیح احادیث کے منافی ہو' بلکہ بقول بعض علمائے احناف خود آیاتِ قرآنی میں تعارض کا موجب ہو۔

دوسری بات:

یہ کہ اس آیت میں مقتدی کو قرأت سے روکا گیا ہے' اس کا جواب مولانا عبدالرحمان مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق الکلام ج ص ۲۸۔ ۲۹ میں ایک دیوبندی مصنف کے الفاظ میں یوں نقل فرمایا ہے کہ:

"جو فریق اس کا داعی ہو کہ اس آیت نے جہری و سری نماز میں قرأتِ مقتدی منسوخ ہوتی ہے' اس کے ذمہ یہ امر لازم ہے کہ پہلے اس کا ثبوت پیش کرے کہ وقتِ نزولِ آیت: " وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ ...." پانچوں نمازیں فرض ہو چکی تھیں اور ان میں سری و جہری کی تفریق ہو چکی تھی۔ اور اس وقت مقتدی لوگ جہری نماز میں جہراً پڑھتے تھے اور سری میں سراً۔ کیونکہ امرِ منسوخ کیلئے پہلے سے رائج ہونا ضروری ہے' اور ناسخ کے لئے موخر ہونا لابدی ہے۔ سو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ کونسی احادیثِ مرفوعہ یا آثارِ مقبولہ ہیں جن سے پتہ چلے کہ یہ آیت بعد افتراضِ صلوتِ خمسہ نازل ہوئی ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو آیتِ مذکورہ کو ناسخ قرأت مقتدی، خواہ جہراً ہو یا سراً، قرار دے سکتے ہیں۔ پھر بھی اَنْصِتُوْا سے مقتدی کی سری قرأت کا منسوخ ہونا محلِ تامل رہے گا۔ مگر جہاں تک تلاش کیا گیا، اس آیت کا نزول افتراض صلاتِ خمس کے بعد نہیں ہوا بلکہ اس سے قبل نزول ہونا بقرائن و شواہدِ مذکورہ بالا ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت مقتدی کی سری قرأت کے لئے ناسخ ہے؟ کیا مقدم النزول آیت کسی حکم موخر الافتراض کے لئے ناسخ ہو سکتی ہے؟ کوئی منصف فہمیدہ اس کو تسلیم کر سکتا ہے۔ سخت تعجب ہے کہ بہت سے اکابر علماء' جو علوم دینیہ میں بحر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ثانی کا "انصتوا" سے ہے - پھر اس دعویٰ کے ثبوت میں مناسباتِ عقلیہ اور اوضاعِ لغویہ سے کام لیا گیا، جو اکثر مخدوش ہیں - اسی لئے فریق دوم کی طرف سے اس پر نقوض و معرضات کا ایک جھاڑ بندھ گیا۔" (الفرقان ۸۹، ۹۰)

تنبیہہ

بعض علمائے احناف نے دو صحابہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور آٹھ تابعین سے اس آیت کا شانِ نزول نماز کو بتایا ہے، گویا مرفوع روایت کوئی بھی نہیں - ان اقوال کی استنادی حیثیت سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات نے آیت کے مفہوم کو وسعت دیتے ہوئے، نماز میں قرات کو بھی اس میں داخل کیا ہے اور خود فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے - امام بیہقی اپنی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عباس کا قول نقل کرتے ہیں کہ "اقرأ خلف الامام بفاتحۃ الکتاب" (میں امام کے پیچھے فاتحۃ الکتاب پڑھتا ہوں) اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے - اسی بناء پر الفرقان کے دیو بندی مصنف نے آیت کا نزول نماز کی فرضیت سے پہلے قرار دیا ہے - شانِ نزول میں وسعت اختیار کی جاتی ہے، بعد میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو بھی اس آیت کا مصداق قرار دے دیا جاتا ہے - امام سیوطی علامہ زرکشی سے نقل کرتے ہیں :

"قد عرف من عادۃ الصحابۃ والتابعین ان احدھم اذا قال نزلت ھذہ الآیۃ فی کذا فانہ یرید بذلک انما تضمن بذلک الحکم لا ان ھذا کان السبب فی نزولھا فھو من جنس الاستدلال علی الحکم بالآیۃ لا من جنس النقل لما وقع" (الاتقان ج۱ ص ۱۳۱)

"صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کی معروف عادت ہے کہ جب ان میں سے کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ آیت فلاں مسئلہ کے بارے میں اتری ہے، تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ آیت اس حکم پر استدلال کی ایک قسم ہے، کسی واقعہ کی نقل یا بیان نہیں ہے"۔

یہی بات حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ اصول التفسیر اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر میں بیان کی ہے - اس لئے ان صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے اقوال سے بفرضِ تسلیم یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ آیت فرضیتِ نماز کے بعد اتری ہے -

۲:

آیت "اذا قرئ القرآن" کے مفہوم میں اگر وسعت پیدا کر لی جائے اور اس کے سیاق و سباق کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس سے قرأت خلف الامام کی ممانعت اس امر پر موقوف ہے کہ یہ آیت قرأت خلف الامام کے متعلق محکم ہے، اور اس کے اندر کسی دوسری آیت سے منسوخ ہونے کا احتمال موجود نہیں - جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ سورۃ مزمل کی آیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"فاقرءوا ماتیسر من القرآن" جو یقینی طور پر نماز ہی کے سلسلہ میں اتری ہے اور مسلمان ہی اس کے مخاطب ہیں، وہ اپنے عموم کے اعتبار سے سب کے لئے قرأت کو لازم قرار دیتی ہے۔ اور بقول ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سورۃ الاعراف کی آیت مکی ہے اور سورۃ المزمل کی آیت مدنی ہے، اگرچہ خود سورۃ مزمل مکی ہے۔ چنانچہ سورۃ المزمل کا آخری حصہ بھی اس کے مدنی ہونے کی دلیل ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرأت سے خلف الامام کی ممانعت درست نہیں ہے کیونکہ جب مفہوم اور منطوق میں تعارض ہو تو منطوق راجح ہوتا ہے۔ منطوق قرأت کا لازم ہونا ہے اور آیتِ اعراف سے مفہوم نکالا جاتا ہے۔

۳:

آیتِ اعراف کے مفہوم میں اگر وسعت پیدا کر کے قرأت خلف الامام کی ممانعت ثابت کی جائے گی، تو حنفی اصولِ فقہ کی رو سے یہ آیت "فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" کے معارض ہوگی، اور تعارض کی بنا پر قابلِ احتجاج واستدلال نہیں ہوگی۔ تلویح وتوضیح کے باب المعارضہ والترجیح میں ہے کہ:

"مثال المصیر الی السنۃ عند تعارض الآیتین قولہ تعالیٰ: فاقرءوا ماتیسر من القرآن وقولہ تعالیٰ "واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا" تعارضا فصرنا الی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ"

دو آیتوں میں تعارض کی صورت میں سنت کی طرف رجوع کرنے کی مثال "فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ..." اور "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ..." کا باہمی تعارض ہے، اسی لئے ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ" کی طرف رجوع کریں گے۔ (اس حدیث کے بارے میں بحث آگے آرہی ہے)

صاحبِ نور الانوار ملّا جیون رحمہ اللہ اس سے بھی صریح الفاظ میں لکھتے ہیں:

ان الآیتین اذا تعارضا تساقطا فلابد للعمل من المصیر الی مابعدہ وھو السنۃ"

جب "دو آیتوں میں تعارض ہو تو دونوں ساقط ہو جاتی ہیں، تو عمل کیلئے لازمی طور پر بعد والی دلیل یعنی سنت کی طرف رجوع ضروری ہے"۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاقْرَءُوْا ...... اور دوسرا فرمان "اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ" ہے کہ دونوں آیتیں باہمی متعارض ہیں، کیونکہ پہلی آیت اپنے عموم کی بنا پر مقتدی پر قرأت کو لازم ٹھہراتی ہے اور دوسری آیت اپنے خصوص کی رو سے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی نفی کرتی ہے - اور یہ دونوں آیتیں نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہیں - پس دونوں ساقط ہوگئیں' اس لئے اس کے بعد حدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا اور وہ حضورِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے: "من کان لہ ..... "!

اصولِ فقہ کی یہ دونوں کتابیں احناف کی مسلمہ کتابیں ہیں - (دیکھئے سنت کی بحث کے تحت تعارض کی بحث) اصول کی کتابوں کی اس صراحت کے بعد کہ یہ آیت ساقط الاحتجاج ہے" اس آیت سے استدلال کرنا کس قدر دیدہ دلیری ہے؟ بلکہ انتہائی قبیح جسارت آیات میں تعارض ثابت کرنا ہے' جب کہ قرآن صراحتہً اس کی نفی کرتا ہے -

۴:

اگر اس کے مفہوم کے اندر وسعت پیدا کرلیں اور یہ تسلیم کرلیں کہ آیت کا تعلق قرأت الامام سے بھی ہے' تو بھی اس آیت سے حنفیہ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا' کیونکہ دعویٰ عام ہے اور دلیل خاص ہے - دعویٰ اور دلیل دعوی میں موافقت و یکسانیت نہیں - کیونکہ آیت سے صرف جہری نماز میں' جب امام قرأت بالجہر کر رہا ہو' ممانعت ثابت ہوگی - جب امام قرأت بالجہر نہیں کر رہا یا نماز سری ہے' تو ممانعت ثابت نہیں ہوسکتی - کیونکہ "اذا قرئ" کے بعد "استمعوا..." دو حکم ہیں' اور ان کا تعلق جہری قرأت سے ہے -

استماع کا جہری نماز کے ساتھ تعلق تو بالکل ظاہر ہے - رہا انصات کا تعلق' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں لفظوں کا تعلق "قرئ" سے ہے - جب استماع کا تعلق قرأتِ جہری سے ہے تو انصات کا تعلق بھی اس سے ہوگا - ایک کا تعلق جہری قرأت سے اور دوسری کا تعلق سری قرأت سے محض تکلف بے جا بلا دلیل اور سینہ زوری ہے - مزید برآں علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۵۴۰ میں "الانصات" کا معنیٰ کیا ہے: الانصات ھوالسکوت مع الاصغاء " کان دھرنے کے ساتھ خاموشی اختیار کرنا - (دیکھئے تحقیق الکلام ج ۲ ص ۵۲)

علامہ زبیدی حنفی تاج العروس میں "نصت" کے تحت امام ثعلب کا قول نقل کرتے ہیں:

"وفی التنزیل اذا قرئ ...." نیز

قرآنِ مجید میں ہے کہ:

"واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا ....."

ثعلب کہتے ہیں کہ اس کا معنیٰ ہے' جب امام قرأت کرے تو اس کی قرأت کو سنو اور کلام نہ کرو۔

علامہ عبدالحئی امام الکلام کے حاشیہ "غیث الغمام" میں (حاشیہ نمبر ا ص ۱۴۴ - ۱۴۰) پر لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ :

"ہم بیان کر چکے ہیں کہ انصات کی حقیقت مطلق خاموشی نہیں ہے' بلکہ سننے والے کی خاموشی ہے۔ اور اس کا سری نماز میں وجود نہیں ہے۔ اور یہ دعوٰی کرنا کہ انصات کی حقیقت محض خاموشی ہے' لغت کی معتبر کتابوں کی مخالفت کرنا ہے۔"

لہٰذا اس آیت سے حنفیہ کا دعوٰی ثابت نہیں ہوتا۔ دعوٰی عام ہے اور دلیل خاص۔ دونوں میں مطابقت و مساوات نہیں ہے۔

تیسری بات:

کہ استماع اور انصات آہستہ پڑھنے کے منافی ہے' یہ بھی درست اور قابلِ تسلیم نہیں۔ کیونکہ امام کے ساتھ اگر مقتدی بھی آہستہ آہستہ فاتحہ پڑھیں اور اور ساتھ ساتھ سنتے بھی جائیں تو استماع و انصات کے منافی نہیں ہے۔ نیز آیتِ اعراف مکی ہے اور نماز میں کلام کرنا مدینہ منورہ میں منع ہوا' پس جو آیت امام کے پیچھے کلام سے نہیں روکتی' وہ آہستہ پڑھنے سے کیسے مانع ہوگی؟

قرآن سنتے وقت نیک لوگوں کی جو کیفیت و حالت قرآن میں بیان کی گئی ہے' اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قرآن سنتے وقت بعض کلمات اس طرح کہنا جس سے پڑھنے والے کو تشویش نہ ہو' استماع و انصات کے منافی نہیں ہے۔ سورۂ مائدہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ:) "جب یہ لوگ رسولؐ پر اتاری گئی چیز سنتے ہیں تو حق کو پہچان کر زارو قطار رونا شروع کر دیتے ہیں' اور بول اٹھتے ہیں: "اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہم کو گواہوں میں لکھ لے۔ اور ہمارے پاس کیا عذر ہے کہ ہم اللہ پر اور اس حق پر ایمان نہ لائیں جو ہم تک پہنچ چکا اور ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو صالحین میں داخل فرمائے گا۔"

(المائدہ:۸۳۔ ۸۴)

سورۂ قصص میں ہے:

(ترجمہ) "جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی' وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب یہ ان پر پڑھی جاتی ہے تو بول اٹھتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے' یہ ہمارے رب کی طرف سے یقیناً حق ہے' ہم اس کے لئے ہی مسلمان تھے"۔

(آیت ۵۲۔ ۵۳)

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن سنتے وقت بعض کلمات کہنا جائز ہے' اور یہ قرآن کے استماع و انصات کے منافی نہیں ہے۔ ان آیات کی موجودگی میں آیتِ اعراف سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقتدی کے لئے قرأت کی مطلق ممانعت ثابت کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟
ہاں امام کے پیچھے اس طرح پڑھنا جو موجب تشویش ہو اور امام سے منازعت کا سبب ہو' وہ درست نہیں ہے۔ اگر انصات کا معنی سکوت مع الاستماع نہ کیا جائے' بلکہ صرف سکوت مراد لیا جائے' تو پھر بھی قرأت اور سکوت میں منافات نہیں ہے۔ کیونکہ انصات کا مطلب ہے' جہر نہ کرے۔ امام بیہقی کتاب القرأۃ میں لکھتے ہیں:

(ترجمہ) "جس کا خیال و زعم یہ ہے کہ انصات کا معنی لغۃً سکوت (خاموشی) ہے اور عرفِ شریعت میں اس کا اطلاق سکوت اور بالکل نہ بولنے پر ہوتا ہے' اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث میں انصات اور سکوت کا اطلاق ترکِ جہر (بلند آواز نہ کرنا) اور ترکِ کلام الناس (انسانی بات چیت نہ کرنا) پر ہوا ہے' آہستہ پڑھنے اور نفس میں اللہ اللہ کرنے پر نہیں ہوا۔"

(ص ۸۳)

مندرجہ ذیل احادیث امام بیہقی کی موید ہیں:

۱۔ مجمع البحار میں ہے: "حضورِ اکرم ﷺ نے حکم کے مطابق قرأت میں جھر کیا اور حکم کے مطابق سکوت یعنی آہستہ قرأت کی۔"

۲۔ متفق علیہ روایت ہے:
"نبی اکرم ﷺ تکبیرِ تحریمہ اور قرأت کے درمیان کچھ دیر سکوت اختیار فرماتے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں' میں نے پوچھا: "اے اللہ کے رسول' میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ ﷺ تکبیرِ تحریمہ اور قرأت کے درمیان سکوت میں کیا پڑھتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا' میں "اللھم باعد بینی وبین خطایای" پڑھتا ہوں۔"

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
"سنت یہ ہے کہ امام ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں نفس میں آہستہ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے' اور مقتدی انصات اختیار کریں اور اپنے اپنے نفس میں قرأت کریں۔"

(القرأۃ الامام البیہقی ص ۸۰)

احادیثِ بالا سے ثابت ہوا کہ انصات کا معنی ترکِ جہر ہے' محض چپ چاپ گونگا بن کر کھڑا رہنا مراد نہیں۔ اور حنفی فقہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ شرح وقایہ ج ۲ ص ۱۷۰ میں موجود ہے کہ خطبہ کے لئے انصات لازم ہے۔ پھر جب خطیب وہ آیت پڑھے' جس میں درود پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے' تو آہستہ آہستہ درود پڑھے۔ کیونکہ آہستہ درود پڑھنا سکوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے منافی نہیں ہے۔

چوتھی بات:

چوتھی بات یہ ہے کہ اس آیت کی تخصیص کرنے والی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے، اگر یہ بات فرض کر لی جائے کہ آیتِ اعراف نماز کے بارے میں اتری ہے کہ اس میں مقتدی کو قرأت سے روکا گیا ہے، اور یہ استماع اور انصات ہر قسم کی قرأت کے منافی ہے، تو اب سوال ہوگا کہ کیا کسی حدیثِ صحیح سے مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنے کا خصوصی حکم موجود نہیں ہے؟ صورت حال یہ ہے کہ صحیح احادیث میں مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنے کا خصوصی حکم موجود ہے۔

متفق علیہ روایت ہے کہ حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

(ترجمہ) "جو ام القرآن نہ پڑھے اس کی کوئی نماز نہیں"۔

دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

"جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی کوئی نماز نہیں"۔

(مسلم ج ا ص ۱۶۹، بخاری ج ا ص ۱۰۴)

یہ حدیث عام ہے، اس میں کسی نماز کی تخصیص نہیں کہ وہ رات کی نماز ہے یا دن کی؟ نفل ہے یا فرض؟ اور نہ ہی کسی نمازی کی تخصیص ہے کہ وہ امام ہے، یا منفرد، یا مقتدی؟ اس حدیث میں لفظ "من" آیا ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے، اور یہ اس کا اصلی معنیٰ ہے۔ اور اصلی معنیٰ ہی حقیقی ہوتا ہے، جسے کسی قرینہ اور دلیل کے بغیر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

"توضیح" جو حنفی اصولِ فقہ کی ایک بہترین اور معتبر کتاب ہے، میں لکھا ہے کہ:

"عام عندنا وعند الشافعي يوجب الحكم في الكل"

"ہمارے اور شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عام اپنے تمام افراد کے لئے حکم ثابت کرتا ہے"۔

حسامی بھی حنفی اصولِ فقہ کی معتبر اور درسی کتاب ہے، اس میں لکھا ہے کہ "عام بھی خاص کی طرح افراد کو شامل ہے، تمام افراد کے لئے حکم کو قطعی و یقینی طور پر ثابت کرتا ہے۔" تلویح حاشیہ توضیح میں ہے کہ "عام کے حجت ہونے پر اجماع ہے، کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور غیر صحابہ کے عمومات سے دلیل پکڑنا بلا انکار معروف و مشہور ہے"۔

(ص ۳۹)

لہٰذا "لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" سے آیت کی تخصیص کی جائے گی اور مذکورہ آیتِ اعراف کے حکم سے قرأت فاتحہ خلف الامام خارج ہوگی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفسر اور شارح ہیں اور آپؐ کا فریضہ منصبی لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ ؕ آپؐ منزل من اللہ کی تفسیر و وضاحت فرمائیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

"فقہاء کا اتفاق ہے کہ قرآن کے عموم کی خبرِ واحد سے تخصیص ہو سکتی ہے۔ تو اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ فرمانِ باری تعالیٰ "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا ...." سے لازم آتا ہے کہ مقتدی قرآتِ عام کے وقت سکوت اختیار کرے، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "لا صلاۃ ..... الخ" میں آیت کے عموم کے مقابلہ میں مخصوص ہے، اور عمومِ قرآن کی تخصیص خبرِ واحد سے لازم ہے۔ لہٰذا عمومِ آیت کی اس حدیث سے تخصیص ضروری ہے"۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے امام الکلام کے حاشیہ غیث الغمام میں سے نقل کیا ہے اور "ابن الحاجب نے مختصر الاصول میں اور عضد نے اس کی شرح میں بیان کیا ہے کہ قرآنی عام کی متواتر حدیث سے تخصیص جائز ہے۔ حنفیہ میں سے عیسیٰ ابن ابان کی رائے میں اگر اس کی تخصیص پہلے دلیلِ قطعی یا منفصل سے ہو چکی ہو، تو جائز ہے۔ کرخی کے نزدیک اگر عام کی تخصیص پہلے دلیلِ منفصل سے ہو جائے، وہ قطعی ہو یا ظنی، تو پھر جائز ہے۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہی کی دوسری حدیث میں جو مستدرک حاکم، سنن ترمذی، سنن ابی داوٗد، سنن دار قطنی، وغیرہ کتبِ حدیث میں موجود ہے، اس میں خلف الامام کی صراحت بھی موجود ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ:

"ہم فجر کی نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآت کی تو قرأت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دشوار ہو گئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا شاید تم اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ تو ہم نے عرض کی ہاں، یارسول اللہ! ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھو، کیونکہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی"۔ (ابوداوٗد)

خود علمائے احناف بھی اس آیت کے عموم میں خصوص کے قائل ہیں۔

۱۔ علامہ عینی ہدایہ میں لکھتے ہیں کہ:

(ترجمہ) "اگر یہ سوال کرو کہ خطبہ کے سامعین دو حکموں کے مخاطب ہیں۔ ایک "صلّوا و سلّموا" (درود و سلام پڑھو) اور دوسرا "فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا" (کان دھرو اور خاموش رہو) اور بقول مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا نزول خطبے کے بارے میں ہوا ہے، تو ایک حکم کی تعمیل دوسرے حکم کے ترک کو مستلزم ہے؟ تو میں اس کا جواب دوں گا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب سامع اپنے نفس میں پڑھے گا اور انصات و سکوت اختیار کرے گا تو دونوں حکموں پر عمل ہو جائے گا"۔

شرح وقایہ میں "فی نفسہ" کی بجائے "فیصلی سرًا" (ص ۲۷۵) اور کفایہ (ص ۶۴) میں ہے:

"فیصلی السامع فی نفسہ ای یصلی بلسانہ خفیًا"

(سامع اپنے نفس میں درود پڑھے گا' یعنی اپنی زبان سے آہستہ درود پڑھے گا)۔

اس سے دو باتوں میں سے ایک ثابت ہوتی ہے:

ا۔ آیت کے وسیع مفہوم سے درود پڑھنے کی تخصیص کی گئی ہے' حالانکہ اس کے لئے کوئی صحیح حدیث موجود نہیں اور فاتحہ کی تخصیص کی صحیح حدیث موجود ہے۔ لہٰذا امام کے پیچھے بلند قرأت کرنا ناجائز ہے اور سورۃ الفاتحہ کی آہستہ قرأت صحیح حدیث کی بنا پر جائز ہے۔

۲۔ احناف کے نزدیک نمازِ فجر کے وقت جب امام قرأت کر رہا ہو تو صفوں کے پیچھے سنتِ فجر ادا کرنا جائز ہے۔ ردالمختار میں ہے کہ:

"فجر میں سنتوں کو پڑھنا سنت ہے۔ اگر مسجد کے دروازہ کے پاس کوئی جگہ ہو تو وہاں پڑھ سکتا ہے۔ اگر مسجد میں گرمی و سردی کے لئے الگ الگ جگہ ہو تو وہاں پڑھ لے' ورنہ صفوں کے پیچھے ستون کے پاس پڑھ لے۔ جب مسجد میں پہنچا اور لوگ نمازِ فجر شروع کر چکے ہیں' وہ فجر کی دو رکعت پڑھے گا بشرطیکہ یہ امید ہو کہ وہ جماعت کے ساتھ' امام کی اقتداء میں ایک رکعت پڑھ لے گا۔ یہ ہمارا مسلک ہے"۔

فجر کی سنتوں کی تخصیص کی کوئی صحیح دلیل موجود نہیں ہے' بلکہ یہ صحیح مرفوع حدیث:

"اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ"

کے مخالف ہے۔ اس کے باوجود جب امام قرأت کر رہا ہو تو بقولِ احناف سنتیں ادا کرنا جائز ہے' تو کیا صحیح حدیث کی روشنی میں فاتحہ کی تخصیص بالاولیٰ جائز نہیں ہو گی۔؟

علاوہ ازیں جب امام قرأت کر رہا ہو تو بعد میں آنے والا مقتدی تکبیرِ تحریمہ "اللہ اکبر" کہہ کر نماز میں شریک ہو گا۔ تو کیا یہ "فَاسْتَمِعُوا وَانصِتُوا" کے منافی نہیں ہے؟ اور احناف اس کو اس آیت کے حکم سے خارج نہیں کرتے۔

اور اگر امام قرأت کر رہا ہو' اور انسان آکر نماز میں شریک ہو' تو احناف کے اس کے بارے میں دو موقف ہیں: مولانا عبدالحیٔ لکھنوی امام الکلام ص ۲۴۳ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے بعض حضرات کے نزدیک جہر و سر کی قید کا لحاظ کئے بغیر ثناء پڑھے گا۔ اور بقول بعض ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت کا مختار یہ ہے کہ سرّی میں اور حالتِ جہر کے بغیر ثناء پڑھے گا۔ مطلق یعنی بلا قید نہیں پڑھے گا۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

"ایک انسان امام کو اس حالت میں پاتا ہے کہ وہ قرأت شروع کر چکا ہے تو بقول شیخ ابو بکر محمد بن الفضل، ثناء نہیں پڑھے گا۔ اگر قرأت سری کر رہا ہے تو ثناء پڑھے گا"۔

ثناء پڑھنے کی تخصیص بھی کسی حدیثِ صحیح میں موجود نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود اس کی اجازت دینا، جبکہ فاتحہ کی تخصیص کی صحیح حدیث کی موجودگی میں بھی اجازت نہ دینا کس قدر حیران کن چیز ہے۔؟

یہ بھی دیکھیے کہ "اذا قرئ القرآن" تو عام ہے، لہٰذا حفاظِ قرآن کو ایک کی قرأت کا استماع کرنے کے لئے چپ چاپ خاموش ہو کر بیٹھ رہنا چاہئے اور قاری حضرات کو اپنے تلامذہ کو بیک وقت قرأت کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ ریڈیو، ٹی وی، پر جب قرأت ہو رہی ہو تو تمام کام کاج چھوڑ کر ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ رہنا چاہئے۔ کیونکہ آیت کے الفاظ میں تو عموم ہے، کسی صورت میں تخصیص موجود نہیں۔ اسی طرح جب امام قرأت کر رہا ہوتا ہے تو آکر نیتِ نماز کے الفاظ کس دلیل کی رو سے ادا کئے جاتے ہیں۔؟

خلاصہ کلام بقول مولانا عبدالحئ لکھنوی یہ ہے:

"بحث و تمحیص کے بعد میں کہتا ہوں کہ انصاف کی بات، جو کوئی منصف نظر انداز نہیں کر سکتا، یہ ہے کہ آیت مذکورہ جس سے ہمارے حضرات اپنے موقف کے لئے استدلال کرتے ہیں، وہ اس پر دلالت نہیں کرتی کہ جب امام قرأت جہری کر رہا ہو تو قرأت جائز نہیں ہے۔"

سوال نمبر(۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص کے لئے امام ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے قرأت ہے۔ (ابنِ ماجہ)

جواب:

یہ حدیث ضعیف ہے، حافظ ابنِ حجر تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں:

"یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے کئی سندوں سے مروی ہے لیکن سب سندیں معلول ہیں"۔ (تلخیص ج ۱ ص ۸۷)

امام بخاری لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"یہ حدیث حجاز، عراق وغیرھما کے اہل علم کے نزدیک ارسال و انقطاع کی بنا پر ثابت نہیں"۔ علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں: "کتنی احادیث ہیں، جن کے راوی بہت ہیں اور متعدد سندیں ہیں، لیکن وہ ضعیف ہیں"۔ آگے لکھتے ہیں:

"بلکہ بعض دفعہ کثرتِ طرق حدیث کے ضعف کا باعث بنتے ہیں"۔ (نصب الرایہ ج ا ص ۳۵۹)

۲۔ اگر اس حدیث کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو پھر بھی حنفی اصول کے مطابق اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اگر راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو اعتماد راوی کے عمل پر ہوگا، روایت پر نہیں! حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے سری نمازوں میں فاتحہ پڑھنا ثابت ہے۔ علامہ ابوالحسن سندھی حنفی لکھتے ہیں: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان کی روایت سے زیادہ قوی ہے"۔

(حاشیہ ابن ماجہ ج ا ص ۲۷۸)

۳۔ یہ روایت سورۃ الفاتحہ خلف الامام پڑھنے کی ممانعت پر صراحۃً دلالت نہیں، جب کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث قرأت فاتحہ خلف الامام کی صریح اور قطعی دلیل ہے۔ اس لئے علامہ لکھنوی لکھتے ہیں:

> "حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے بعض طرق میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اس کا تعلق فاتحہ کے سوا سے ہے۔ یہ واقعہ ظہر یا عصر کی نماز کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فراغت کے بعد پوچھا "کس نے میرے پیچھے "سبح اسم ربک الاعلیٰ" پڑھی ہے؟" اس لئے علامہ لکھنوی لکھتے ہیں "یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا شانِ ورود ایک انسان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر یا عصر کی نماز میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" پڑھنا جابر رضی اللہ عنہ سے کئی طرق سے گزر چکا ہے۔ تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کا تعلق فاتحہ کے علاوہ قرأت سے ہے"۔

۴۔ حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ عام ہے اور حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ خاص ہے، اس لئے دونوں کو الگ الگ محل پر محمول کیا جائے گا۔ علامہ امیر یمانی لکھتے ہیں، "اس حدیث سے استدلال مکمل نہیں ہوتا، کیونکہ یہ عام ہے۔ عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث فاتحہ سے خاص ہے، اس لئے اس سے عام کی تخصیص ہوگی"۔

(سبل السلام ص ۱۴۸)

عام کی طرح خاص کا حکم بھی قطعی ہے، اسلئے دونوں کے تعارض سے بچنے کے لئے ان کا محل ورود الگ بتایا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے: "سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے"۔

دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سفر میں روزہ رکھا ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کی اجازت دی ہے۔ اس لئے حدیث جابر رضی اللہ عنہ کے الفاظ کے عموم کو اس کے مورد و محل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ خاص قرار دیا گیا ہے، کہ جب سفر میں روزہ کلفت و مشقت اور دوسروں کے لئے بار کا باعث ہو تو ایسا روزہ نیکی نہیں ہے۔ دوسروں پر بار بننے کی بجائے روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

۵۔ اگر کسی حدیث میں حکم عام ہو اور دوسری حدیث میں اس کے بعض افراد کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہو تو پہلی حدیث کے حکمِ عام سے ان افرادِ مخصوصہ کو نکال لیا جاتا ہے، جیسا کہ صحیح حدیث ہے:

"جعلت لنا الارض کلّها مسجداً"

(مسلم ج ا ص ۱۹۶)

ہمارے لئے تمام سرزمین کو نماز گاہ ٹھہرایا گیا ہے، لیکن دوسری حدیث میں استثناء موجود ہے کہ:

"الارض کلّها مسجد الّا المقبرة والحمّام"

(ابو داؤد ج ا)

"قبرستان اور حمام کے سوا تمام روئے زمین مسجد ہے"۔

بالاتفاق یہ استثناء قابلِ قبول ہے اور حکمِ عام سے ان افراد کو نکال لیا گیا ہے، اسی طرح "من کان له امام" کی صحت کی صورت میں حدیثِ عبادہ رضی اللہ عنہ کی رو سے فاتحہ کو مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔

۶۔ حنفی اصولِ فقہ کے مطابق حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ آیتِ قرآنی "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" کے منافی ہے، کیونکہ "فاقرءوا" میں خطاب عام ہے، اس لئے امام و منفرد کی طرح مقتدی بھی اس کا مخاطب ہے اور اس پر قرأت فرض ہے۔ جب کہ مقتدی کو قرأت کی ضرورت نہیں ہے اور حنفی اصول کے مطابق خبرِ واحد سے قرآنی آیت کی تخصیص جائز نہیں ہے۔ نیز علامہ لکھنوی نے امام الکلام میں تسلیم کیا ہے کہ امام کی قرأت کو مقتدی کی حقیقی قرأت قرار نہیں دیا جاسکتا، جبکہ آیت کا مطلوب حقیقی قرأت ہے۔ مولانا لکھنوی لکھتے ہیں کہ "امام کی قرأت حقیقةً، عرفاً اور شرعاً مقتدی کی قرأت نہیں، صرف حکمی قرأت ہے"۔

پھر حکمی قرأت کا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"امام کی قرأت کا مقتدی کے لئے حکمی قرأت ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کی قرأت کی بناء پر مقتدی کو قاری کے حکم میں قرار دیا ہے اور اسے قرأت کا ثواب دیا ہے"۔

سوال نمبر (۳)

بعض احادیث میں "فصاعداً"، "او ما تیسّر"، یا "وما زاد" کے الفاظ آئے ہیں، ان سے کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مراد ہے؟ کیا ہم فاتحہ سے زائد پڑھ سکتے ہیں؟

جواب نمبر۳:

۱۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بعض جگہ "فصاعد" کا لفظ موجود ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں "مازاد" کا لفظ ہے۔ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں "ماتیسر" کا اضافہ ہے۔ پہلی میں "فصائد" کا اضافہ معمر کرتے ہیں اور وہ اس میں منفرد ہیں۔ اس لئے یہ حدیث شاذ ہے' کسی اور ثقہ راوی نے یہ الفاظ بیان نہیں کئے۔ اور اس کی مناسبت میں جو سفیان کی روایت پیش کی جاتی ہے' وہ بھی شاذ ہے، اور شاذ کی متابعت سے شذوذ رفع نہیں ہوتا۔ معمر اگرچہ ثقہ راوی ہے ——— لیکن زیادتی ثقہ ہر جگہ مقبول نہیں ہے۔ علامہ زیلعی نے تسلیم کیا ہے کہ "عموما ہر جگہ زیادتی ثقہ کے مقبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بعض دفعہ غلطی بھی کر جاتا ہے"۔

خود معمر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"بعض جگہ زیادتی کا خطاء ہونا یقینی ہوتا ہے' جیسا کہ معمر اور ان کے ساتھیوں کی زیادتی ہے کہ "ان کان ما نعاًفلا تقربوہ" اگرچہ معمر ثقہ ہے' کیونکہ ثقہ بھی بعض دفعہ غلطی کر جاتا ہے۔ کسی جگہ زیادتی کا خطاء ہونا ظنِ غالب کی بناء پر ہے' جیسا کہ معمر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا اضافہ کیا"۔

اور آگے لکھتے ہیں:

"بعض جگہ زیادتی کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے' جیسا کہ بعض احادیث کے بارے میں ہوا"۔

(تحقیق الکلام ج ۱ ص ۳۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جعفر بن میمون راوی ہے' علامہ عینی لکھتے ہیں کہ:

"جعفر بن میمون فیہ کلام حتی صرح النسائی انہ لیس بقوی" حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے درایہ میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "اسنادہ ضعیف" (تحقیق الکلام) حدیث ابی سعید رضی اللہ عنہ میں راوی قتادہ ہے' جو ایک جلیل القدر امام ہے' لیکن مدلس ہے۔ اور وہ ابو نصر سے "عن" کے ساتھ روایت کرتا ہے۔

۲۔ ان الفاظ کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ معنیٰ یہ ہوگا کہ نماز کے لئے فاتحہ' یا "فاتحہ اور مازاد"' "ماتیسر" کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی دونوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ چونکہ مقتدی کو "مازاد علی الفاتحہ" سے منع کیا گیا ہے' اس لئے "مازاد علی الفاتحہ" کا حکم امام و منفرد کے ساتھ خاص ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ ان الفاظ کا مقصد یہ ہے کہ ہر صورت میں صرف فاتحہ پڑھنا اور زائد نہ پڑھنا لازم نہیں ہے، بلکہ بعض جگہ "مازاد" بھی پڑھا جائے گا۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "فصاعداً" کے لفظ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ فاتحہ سے کچھ زائد پڑھنا نماز کی صحت کے منافی نہیں ہے، جیسے صرف فاتحہ سے نماز ہوجاتی ہے اور فاتحہ سے زائد پڑھنے کی صورت میں بھی نماز صحیح ہوجاتی ہے۔ یعنی حکم کا فاتحہ پر قصرو حصر نہیں ہے۔

۴۔ ان الفاظ کی زیادتی سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ ہر جگہ حکم کے لئے دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً جامی نے لکھا ہے کہ بعض کے نزدیک کَلِمْ کلمہ کی جمع ہے "حیث لایقع لا علی الثلاث فصاعداً" (شرح جامی ص ۱۹) کیونکہ یہ استعمال وہیں ہوگا جہاں تین یا تین سے زائد کلمے مراد ہوں۔

اس عبارت کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ تین اور زائد دونوں مراد ہوں گے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ یہ لفظ بول کر کبھی تین اور کبھی اس سے زائد ہوتے ہیں۔

اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے "خریدار سے جو آفت کی صورت میں رقم وضع کی جائے گی، وہ اس صورت میں ہے جب نقصان تہائی یا اس سے زائد ہو"

اسی طرح وہ فرماتے ہیں:

"ان الدیۃ لا تجب علی العاقلۃ حتی تباع الثلث فصاعداً"
(خیر الکلام ص ۹۸)

"دیت جب تک تہائی یا اس سے زائد نہ ہو، عاقلہ پر لازم نہیں ہوگی۔"

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہے کہ حکم کے لئے "مازاد" کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

۵۔ اگر فاتحہ اور "مازاد" و "ما تیسّر" کا حکم یکساں لیا جائے تو فرض ہوگا۔ فاتحہ اور "مازاد" یہی ہے۔ حالانکہ جمہور نماز میں "مازاد علی الفاتحۃ" کو فرض قرار نہیں دیتے۔ جمہور کے نزدیک فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا سنت ہے۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ اور حنفیوں کے نزدیک تو زیادہ سے زیادہ تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت فرض ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مختلف احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ مقتدی پر جہری نماز میں صرف فاتحہ لازم ہے، اگر قرأت جہری نہ ہو تو "مازاد" بھی پڑھنا بہتر ہے۔

سوال نمبر ۴:

اگر کوئی کسی رکعت میں سورہ فاتحہ بھول جائے تو کیا کرے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مغرب کی ایک رکعت میں فاتحہ بھول گئے تو دوسری میں دو مرتبہ پڑھ لی، کیا ہم بھی ایسا کرسکتے ہیں؟

جواب نمبر ۴:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مصنف ابنِ ابی شیبہ اور السنن الکبریٰ میں موجود ہے۔ اور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ بھی موجود ہے، جس میں قرأت بالکل نہیں کی گئی، جیسا کہ سوال نمبر ۱۰ میں آرہا ہے۔ دراصل یہ واقعہ ایک ہی ہے۔ عکرمہ بن عمار اس بیان میں منفرد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسری رکعت میں فاتحہ اور سورہ کو دو دفعہ پڑھا اور آخر میں سجدہ سھو کیا۔

اصل واقعہ وہی ہے جو سوال نمبر ۱۰ میں آرہا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے نماز میں قرأت نہیں کی ۔ اس لئے امام بیہقی لکھتے ہیں کہ اس روایت کو اس طرح بیان کرنے میں عکرمہ بن عمار منفرد ہے۔ اور مشہور روایات میں ایسے نہیں ہے۔ اگرچہ بعض روایات مرسل ہیں۔ اور اس واقعہ میں بھی صحیح صورت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز دہرائی ہے۔ جس میں عدمِ اعادہ کا تذکرہ ہے، وہ روایت درست نہیں ہے۔ الاستذکار (ج ۴ ص ۱۴۲پر) علامہ ابو عمر ابنِ عبدالبر لکھتے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس نماز کو دہرایا اور یہی صحیح بات ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "صحیح سند سے ان سے اعادہ ثابت ہے۔ اعادہ کو ایک جماعت بیان کرتی ہے، اس میں ہمام عبداللہ بن حنظلہ اور زیادہ بن عیاض داخل ہیں۔ یہ سب عمر رضی اللہ عنہ کو مل چکے ہیں اور ان سے سنا ہے، اور اس واقعہ میں موجود تھے۔ ان کے علاوہ حضرات بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اعادہ نقل کرتے ہیں، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے اعادہ کے بعد فرمایا تھا: "لاصلوٰۃ الاّ بقراءۃ "(قرات کے بغیر نماز نہیں ہوتی)۔

السنن الکبریٰ کے حاشیہ الجواہر النقی میں علامہ ماردینی حنفی نے علامہ ابنِ عبدالبر کی تمام عبارت نقل کی ہے، اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا۔

(السنن الکبریٰ مع الجواہر النقی ج ۲ ص ۳۸۲)

سوال نمبر۵:

سعودی عرب میں لوگ رکوع کی رکعت کے قائل ہیں۔ کیا ائمہ اربعہ رحمہم اللہ بھی رکوع کی رکعت کے قائل تھے؟

جواب نمبر۵:

کسی مسئلہ کی صحت کے لئے کسی علاقہ کے لوگوں کا طرزِ عمل دلیل و برہان نہیں بن سکتا۔ نہ ہر جگہ اکثریت کا فعل اور رائے صحت بنتی ہے۔ بات دلائل کی ہے کہ کس کے پاس دلیل ظنی اور صریح ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ جمہور رکوع کی رکعت کا قائل ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جو لوگ اس کے قائل نہیں، ان کے پاس کیا دلیل یا حجت ہے اور اس کا کیا وزن ہے؟ بحث آگے آرہی ہے!

سوال نمبر۶: حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے خلافِ فطرت کام کیا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب نمبر ۶:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، حافظ ابن عبدالبر تمہید میں لکھتے ہیں: کیونکہ مختار اور اس کا باپ دونوں مجہول ہیں۔ اور اس قول کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے جو اس سے زیادہ صحیح سند سے ثابت ہے۔ جس میں امام کے پیچھے قرأت کرنا ثابت ہے۔"

امام حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ وہ دونوں قرأت خلف الامام کا حکم دیتے تھے۔ (توضیح الکلام ص ۳۲۷ ج ۲) علامہ عبدالحئی نے امام الکلام کے ص ۴۷ حاشیہ نمبر ا میں مستدرک حاکم کے واسطہ سے دونوں کے قول اور فعل یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل تفصیلی سند سے نقل کیا ہے!

سوال نمبر ۷:

ایک روایت ہے کہ قرأت خلف الامام کرنے والے کے منہ میں گندگی ڈالی جائے گی؟

جواب نمبر ۷:

نار (آگ، شعلہ) اور جمرہ و حجر وغیرہ الفاظ ضعیف سند سے نظر سے گذرے ہیں، گندگی والے قول کا حوالہ دیا جائے؟ مولانا عبدالحئی لکھنوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

"قال النبي صلى الله عليه وسلم من قرأ خلف الامام ملئ فاه نارًا"

"جو امام کے پیچھے پڑھے اس کا منہ آگ سے بھرا جائے گا"

اور اس پر تبصرہ کیا "انہ حدیث باطل" (ص ۱۸۱) ایک حدیث نقل کی: "من قرأ خلف الامام ففي فيه جمرة" (جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں آگ کا انگارا ہے) اور لکھا ہے کہ "لا اثر لہ فی کتب المحدثین" (محدثین کی کتابوں میں اس کا نشان نہیں) بعض جگہ کا تذکرہ ہے، لیکن کسی بھی روایت کی سند صحیح نہیں ہے۔

سوال نمبر ۸:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی، غالباً فجر کی نماز تھی، فارغ ہونے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، میرے ساتھ کسی نے قرأت کی؟ میں نے کہا، ہاں! فرمایا، میں کہتا تھا میرے ساتھ قرأت میں کون منازعت کر رہا ہے؟ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، پھر لوگ جہری نمازوں میں قرأت سے رک گئے اور سری نمازوں میں قرأت کرتے تھے۔

جواب نمبر ۸:

ا۔ سائل نے یہ بات تو خود تسلیم کرلی ہے کہ لوگ جہری نمازوں میں قرأت سے رک گئے ۔ اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جہری نمازوں میں ترکِ قرأت پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں (صحابہؓ) کا اتفاق ہوگیا۔ حالانکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے، خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جن سے امام زہری روایت نقل کرتے ہیں، ان کا اپنا فتویٰ اس روایت کے خلاف ہے۔ لہٰذا زہری کی روایت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے راوی ہیں، وہ سات ہجری میں مسلمان ہوئے ہیں اور سورۂ اعراف کی آیت "اذا قرئ القرآن" مکہ میں نازل ہو چکی تھی اور امام زہری آیت کا شانِ نزول قرأت خلف الامام مانتے ہیں۔ تو امام زہری کا یہ قول اپنے شانِ نزول کے متعارض و منافی ہے، اس لئے دونوں قولوں میں سے ایک خلافِ واقعہ ہے۔ اور امام زہری رحمہ اللہ نے "فانتھی الناس" والے قول کی سند بھی بیان نہیں کی۔

۳۔ مالی انازع القرآن کہ میرے ساتھ قرأت میں منازعات کیوں ہو رہی ہے؟ کے الفاظ اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ وہ قرأت ممنوع ہے، جو امام کے ساتھ منازعات کا سبب بنے۔ اور یہ اس صورت میں ہوگی، جب اونچی آواز سے مقتدی قرأت کریں۔ اسی لئے علامہ علاؤ الدین الفارسی حنفی اس پر یوں باب قائم کرتے ہیں: "یہ بیان کرنا کہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے با آوازِ بلند قرأت کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے۔" اور مولانا لکھنوی لکھتے ہیں: "اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے ساتھ منازعت کیوں ہو رہی ہے؟ یہ اگر نہی پر دلالت کرتا ہے تو صرف اس قرأت سے روکتا جو جہری نماز میں منازعت تک پہنچانے والی ہو۔" آگے چل کر لکھتے ہیں: "صرف اس قرأت کی ممانعت ثابت ہوتی ہے جو باعثِ تشویش ہو اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے"۔

(حاشیہ امام الکلام ۱۷۹)

۴۔ "فانتھی النّاس عن القراۃ" سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرأت چھوڑ دی۔ اگر یہ دعویٰ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ صریح سنت کے منافی ہونے کی بنا پر قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ علامہ عبدالحیؒ نے یہ اعتراض تسلیم کیا ہے کہ "جب ابن الہمام وغیرہ نے تصریح کی کہ قولِ صحابی اس وقت حجت ہے جب کسی سنت سے اس کی نفی نہ ہوتی ہو۔ اور یہ معلوم ہے کہ مرفوع احادیث قرأت فاتحہ خلف الامام کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ شافعیہ کے دلائل کے تذکرہ میں آ رہا ہے، تو پھر سنت کو چھوڑ کر اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے؟"۔ اگر صحابہؓ کے اقوال خلافِ سنت قبول نہیں تو ان کا رویہ یا فعل کیسے قبول ہو سکتا ہے۔؟

۵۔ سائل نے خود تسلیم کیا ہے کہ سری نمازوں میں قرأت کرتے تھے، جہری میں قرأت فاتحہ کا ثبوت ہم پیش کرتے ہیں۔

۶۔ اس حدیث کا تعلق فاتحہ سے زائد قرأت کے ساتھ ہے، جیسا کہ اس روایت کے راوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتوی ہے کہ جہری نماز میں بھی فاتحہ خلف الامام آہستہ پڑھی جائے گی - اور ہمارے حنفی بھائیوں کے نزدیک تو راوی کی روایت کی بجائے اس کے عمل اور فتوی یا رائے کا اعتبار ہوتا ہے - اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں تو منازعت کے بعد یہ الفاظ موجود ہیں:

"انا اقول مالی انازع القرآن فلا یقرأ احد منکم شیئاً من القرآن اذا جھرت الا بام القرآن" (توضیح الکلام ج ۲ ص ۳۹۲)

"میں کہہ رہا تھا' میرے ساتھ قرأت میں منازعات کیوں ہو رہی ہے؟ جب میں قرأت بالجہر کروں تو تم میں سے کوئی ام القرآن کے سوا قرآن سے کچھ نہ پڑھے"۔

سوال نمبر (۹):

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے رکوع کرلیا ہے اور امام کے ساتھ نماز کو مکمل سمجھ کر سلام پھیر دیا۔ کیا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ رکوع کی رکعت کے قائل تھے؟ یا انہوں نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد رکعت ادا کی؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو رکوع والی رکعت ادا کرنے کا حکم دیا تھا؟

جواب (۹):

سائل نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مفہوم بیان کیا ہے' حالانکہ وہ مجمل روایت ہے - اس میں رکعت پڑھنے نہ پڑھنے یا ساتھ سلام پھیرنے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے -

۱۔ قرآن مجید کی آیت "قوموا للہ قانتین" سے قیام کی فرضیت ثابت ہوتی ہے' اور "فاقرءوا ما تیسر من القرآن" سے قرأت کی۔ اگر رکوع کی رکعت کو شمار کیا جائے تو دو فرضوں کا ترک لازم آتا ہے اور فرض کے ترک سے نماز کیسے ہوسکتی ہے؟

۲۔ اس روایت سے استدلال بھی اس وقت درست ہوسکتا ہے' جب یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے رکعت ادا نہیں کی تھی - اسی لئے حافظ ابن حزم لکھتے ہیں کہ "حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت دلیل نہیں بن سکتی' کیونکہ اس میں یہ تذکرہ موجود نہیں ہے کہ انہوں نے اس رکعت پر اکتفاء کیا اور رکعت کی قضاء نہیں دی"۔

رہا یہ مسئلہ کہ آپ نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو رکعت کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے - کہ فتح الباری ۲ ص ۲۶۸ میں اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ موجود ہیں "صل ما ادرکت واقض ما سبقك" کہ "جتنا حصہ پالو وہ پڑھ لو، اور جو رہ جائے اس کو پورا کرلو۔ اور پھر جب یہ اصول طے ہے کہ "ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا"۔ "امام کے ساتھ جو حصہ پالو وہ ادا کرو، اور جو رہ جائے اس کو پورا کرلو"۔ (متفق علیہ) تو پھر ہر جگہ اس تصریح کی ضرورت کیسے رہ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اعادہ کا حکم دیتے؟

۳۔ علامہ عینی نے لکھا ہے۔ "لا تعد" "تمام روایات میں تا کے فتحہ اور عین کے ضمہ سے ہے اور عود لوٹنا سے ماخوذ ہے' پھر ایسا نہ کرنا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو آئندہ کے لئے اس کام کے ارتکاب سے منع کردیا تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس روایت سے استدلال کرنا کیا وقعت رکھتا ہے؟ اگر مدرک رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے تو آپ ﷺ نے منع کیوں فرمایا؟

بعض حضرات نے اس لفظ کو "لا تعد" پڑھا ہے یعنی اعادہ نہ کرنا۔ لیکن اس کا مفہوم و مقصد بھی مشہور روایت "لا تعد" والا ہوگا کہ آئندہ ایسی حرکت کا اعادہ نہ کرنا۔ یہ نفی کرنا کہ رکعت کا اعادہ نہ کرو، روایت کے سیاق و سباق کے منافی ہے اور مشہور روایات کے بھی منافی ہے۔ جب ایسا معنیٰ ناممکن ہے، جس کی رو سے دونوں روایت کا مفہوم ایک بنتا ہے، تو پھر ایسا معنیٰ لینے کی ضرورت کیا ہے، جس سے علامہ عینی کے قول کی رو سے تمام روایات والے معنیٰ کی مخالفت لازم آئے۔ ہاں سینہ زوری کرنی ہو تو اس کو "لا تعدّ" پڑھ کر یہ معنیٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس رکعت کو شمار نہ کر۔ جیسا کہ "فاقض ماسبقك" کا تقاضا ہے۔

۴۔ اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ مدرک رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے، تو وہ ایک استثنائی صورت ہوگی کہ اگر رکوع کی حالت میں امام کو پائے تو چونکہ امام جس حالت میں ہو مسبوق کو اس حالت میں داخل ہونا ہوتا ہے اور رکوع کی حالت میں قرأتِ قرآن منع ہے، اس لئے اس حالت کو قرأت سے مستثنیٰ کرلیا جائے گا۔ اور استثنائی حالات کو حجت بنانا درست نہیں۔ مثلاً روزہ دار کے لئے صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانا پینا منع ہے، لیکن اگر بھول کر کر کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ تو کیا اس کا یہ معنیٰ لیا جائے کہ روزہ دار جان بوجھ کر کھا پی لے تو پھر بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا؟ یا وضو کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں کا دھونا لازم ہے، اس کے بغیر وضو نہیں ہوتا۔ لیکن اگر خدانخواستہ کوئی ہاتھ پاؤں سے محروم ہونے کی بناء پر ہاتھ پاؤں نہ دھوئے تو ظاہر ہے اس کا وضو ہو جائے گا۔ تو کیا اس سے یہ استدلال کرنا درست ہوگا کہ ہاتھ پاؤں والا اگر ہاتھ پاؤں نہ دھوئے تو اس کا وضوء بھی ہو جائے گا؟

لہٰذا اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مدرکِ رکوع کی رکعت ہو جائے گی تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ امام کو قیام کی حالت میں پانے والا عمداً جان بوجھ کر قیام میں شریک نہ ہو، یا قیام میں قرأت نہ کرے تو اس کی رکعت بھی ہو جائے گی۔؟

تنبیہ:

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی امام الکلام کے حاشیہ غیث الغمام ص ۵۱ میں حافظ ابنِ حجرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ:

(ترجمہ:)

"جو پالو ساتھ پڑھ لو، اور جو رہ جائے اس کو پورا کرلو۔ اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ جس نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا، اس کی وہ رکعت شمار نہ ہوئی۔ کیونکہ "مَافَاتَ" کی اتمام (پورا کرنا) کا حکم دیا گیا ہے اور یہاں قیام اور اس میں قرأت دونوں رہ گئے ہیں۔ ابو ہریرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت کا یہی قول ہے، بلکہ امام بخاریؒ کی نقل کے مطابق یہ حضرات قرأت فاتحہ خلف الامام ضروری قرار دیتے ہیں - ان سب کا نظریہ یہی ہے -

سوال نمبر(۱۰)(ا):

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور اس میں قرأت نہیں کی تو وہ نماز نہیں دھرائی -

جواب نمبر(۱۰)(ا):

اس کا معنیٰ تو یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ امام و منفرد کے لئے بھی فاتحہ تو کجا قرأت ہی کو ضروری نہیں سمجھتے تھے، جبکہ مطلقاً قرأت تو بالاتفاق امام اور منفرد کے لئے فرض ہے - اور پھر یہ بات قرآنی آیت "فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ" اور قرأت کو فرض قرار دینے والی صحیح احادیث کے خلاف ہے، تو اس کی نسبت عمر رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد کی طرف کیسے کی جاسکتی ہے؟ جب کہ ان سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ ان سے قرأت خلف الامام کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا "اقرأ بفاتحة الكتاب" (فاتحۃ الکتاب پڑھو) سوال ہوا اگرچہ آپ امام ہوں؟ فرمایا، اگرچہ میں امام ہوں - پھر سوال ہوا فرمایا، اگرچہ میں جہر پڑھ رہا ہوں -
(حاشیہ امام الکلام ص ۲۸ ص ۱۴)

سوال نمبر (۱۱):

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص قرأت نہ کرے تو اس کی نماز کیسی ہے؟
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو نے رکوع و سجود پورا کرلیا تو نماز پوری کرلی -

جواب

اس کا جواب بھی وہی ہے جو ہم اوپر بیان کرچکے ہیں نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی قرأت فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے - اس لئے ان کی طرف اس قول کی نسبت کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ امام الکلام مذکورہ بالا حاشیہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے "کان یقرأ خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بفاتحۃ الکتاب" "وہ امام کے پیچھے سرّی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورۃ پڑھتے اور آخری دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھتے تھے" (حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی تفصیل کے لئے دیکھئے الاستذکار (ج ۴ ص ۲۲۹ کا حاشیہ ۲)
مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے، حکم اور حماد کی روایت ہے:
"ان علیاً کان یأمر بالقرأۃ خلف الامام" (ج ا ص ۳۷۳)
"حضرت علی رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت کا حکم دیتے تھے -"

سوال نمبر(۱۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو بھی نماز پڑھے اور اس میں فاتحہ نہ پڑھی، تو اس نے نماز نہیں پڑھی، سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب:

یہ اثر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا صحیح سند سے منقول ہے اور وہ جہری نماز میں قرأتِ فاتحہ کے قائل نہیں تھے ۔ سرّی نماز میں وہ قرأت کرتے تھے ۔ کتاب القرأت ۱۱۷میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت اور پچھلی رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے تھے ۔

(امام الکلام ص ۱۸)

اور یہ بات ہم اوپر امام الکلام کے حوالہ سے نقل کرچکے ہیں کہ صحیح حدیث کی موجودگی میں کسی صحابی کا قول حجت نہیں ہے ۔ فتح القدیر (ج ا ص ۴۲۱) میں ہے:

(ترجمہ:) "ہمارے نزدیک صحابی کا قول حجت ہے' بشرطیکہ سنت سے کوئی چیز اس کی مخالفت یا نفی نہ کرتی ہو"۔

سوال نمبر (۱۳)

نمازِ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد صرف ثنا پڑھ لینا کافی ہے یا سورہ فاتحہ بھی پڑھیں ؟ اگر کسی نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو جنازہ کی تکمیل کرلی یا فاتحہ کے بغیر ادھوری ہے ؟

جواب:

نمازِ جنازہ بھی نماز ہے اور صحیح حدیث "لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" "الکتاب کے بغیر نماز نہیں ہوتی"۔ اس عام لفظ سے نمازِ جنازہ کے مستثنیٰ ہونے کی دلیل ہونی چاہئے جو موجود نہیں ۔

۲۔ باقی نمازوں کی طرح اس میں بھی قیام ہے اس لئے اس میں بھی قرأت ہونی چاہئے ۔

۳۔ مختلف روایات میں نمازِ جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کا حکم موجود ہے ۔ اگرچہ ان میں کچھ ضعف ہے' مگر دوسری احادیثِ صحیحہ سے ان کی تائید ہوتی ہے ۔ ابنِ ماجہ میں ہے' اُمّ شریک رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

"اسماء بنت یزیدؓ سے نسائی کی ایک روایت ہے" جس کے بارے میں حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں کہ:

"نمازِ جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہہ کر فاتحہ پڑھے' پھر درود پڑھے' پھر میت کے لئے اخلاص کے ساتھ دعا کرے ۔ قرأت صرف پہلی تکبیر میں ہوگی"۔ جب نمازِ جنازہ نماز ہے تو وہ فاتحہ کے بغیر کیسے ہو جائے گی۔؟

سوال نمبر (۱۴)

نمازِ جنازہ جہراً پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ احادیث سے ثابت کریں ۔ اکثر شہروں میں دیکھا گیا ہے اہلِ حدیث جہراً نہیں پڑھتے' کیوں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب:

---------- نمازِ جنازہ جہراً پڑھی جاسکتی ہے۔ مسلم میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نمازِ جنازہ ادا کی "فحفظت من دعائہ" پس میں نے آپ ﷺ سے دعا یاد کی۔ آخر میں ہے "حتی تمنیت ان اکون انا ذلک المیت" دعا کی جامعیت کی بناء پر میں نے آرزو کی کہ یہ میت میں ہوتا۔ صحابی کی یہ تمنا اور آروز کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے دعا بلند آواز سے کی تھی۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے: "سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی جنازۃ یقول۔" (میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا' جنازہ میں کہہ رہے تھے) نسائی کی ایک روایت ہے "سمعت رسول اللہ یصلی علی میت فسمعت من دعائہ وھو یقول" بخاری شریف میں ہے' طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھی' انہوں نے فاتحہ پڑھی' بعد میں کہا: تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ فاتحہ پڑھنا آپ ﷺ کا طریقہ ہے۔ نسائی میں ہے کہ "فاتحہ اور ایک سورہ ہمیں سنا کر پڑھی"۔ اسی طرح حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھائی تو میں نے آپ ﷺ سے یہ دعا سنی۔ "اللھم فلان بن فلان فی ذمتک ..... انک انت الغفور الرحیم"

جمہور کے نزدیک سراً پڑھنا بہتر ہے۔ بلند آواز سے تو محض تعلیم کی خاطر پڑھا گیا ہے۔ اس کی دلیل ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے' جسے امام نوویؒ نے علی شرط الشیخین قرار دیا ہے کہ نمازِ جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد فاتحہ سراً (آہستہ) پڑھی جائے۔ منتقی ابن الجارود میں ہے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فاتحہ اور سورہ کی بلند قرأت کی اور فرمایا "انما جھرت لاعلمکم انھا سنۃ" میں نے جہری قرأت اس لئے کی ہے تاکہ تمہیں سکھا سکوں کہ فاتحہ پڑھنا نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے" (مرعاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۴۷۸) اس لئے موقعہ و محل کی مناسبت سے سراً اور جہراً دونوں طرح جنازہ پڑھنا درست ہے۔

سوال نمبر (۱۵):

غائبانہ نمازِ جنازہ کیا پڑھی جاسکتی ہے؟ احادیث سے ثابت کریں۔

جواب:

متفق علیہ روایت ہے کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعی للناس النجاشی فی یوم الذی مات فیہ۔"

جس دن نجاشی فوت ہوا' نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو ان کی موت کی اطلاع دی اور ان کو لے کر نماز گاہ میں گئے' ان کی صف بندی کی اور چار تکبیریں کہیں۔ یہ نمازِ جنازہ غائبانہ کی صریح دلیل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ' احمد رحمہ اللہ' جمہور سلف کا یہی موقف ہے اور بقول ابنِ حزم رحمہ اللہ' کسی صحابی سے اس کی ممانعت ثابت نہیں ہے۔

سوال نمبر (۱۶):

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سعودی عرب میں نمازِ جنازہ کا سلام ایک طرف پھیرا جاتا ہے' ان کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے اور پاک و ہند اس سے کیوں محروم ہے؟

جواب:

سعودی عرب کے لوگ عام طور پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف قبول کرتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ میں ایک طرف سلام پھیرنا ہی سنت ہے۔ سید خالق نے فقہ السنۃ میں لکھا ہے کہ ان کا استدلال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل سے ہے جو ایک ہی طرف سلام پھیرتے تھے "ولم یعرف یخالف فی عصرھم" (فقہ السنۃ ج ۲ ص ۴۴۲) "ان کے دور میں ان کی کسی نے مخالفت نہیں کی" (السنن الکبرٰی ج ۴ ص ۴۷) علامہ البانی نے تو فرض نماز میں بھی بعض دفعہ ایک طرف سلام پھیرنا نقل کیا ہے: "واحیانا کان یسلم تسلیمۃ واحدۃ تلقاء وجھہ یمیل الی الشق الایمن شیئا۔"

بعض دفعہ سامنے' چہرے کی طرف تھوڑا سا مائل ہوتے ہوئے ایک ہی دفعہ سلام پھیرتے تھے۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھایا' جس میں چار تکبیریں اور ایک دفعہ سلام پھیرا۔

"انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلّی علی جنازۃ اربعًا وسلّم تسلیمۃً واحدۃً" (دار قطنی)

نمازِ جنازہ بھی نماز ہے اور نماز میں سلام دو طرف ہے' اس لئے پاک و ہند کے لوگ دونوں طرف سلام پھیرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے اپنے بچے کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور دونوں طرف سلام پھیرا اور کہنے لگے: "ھٰکذا صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

(السنن الکبرٰی ج ۴ ص ۴۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ثلاث خصال کان یفعلھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترکھن الناس احدھن التسلیم علی الجنازۃ مثل التسلیم فی الصلوٰۃ" (السنن الکبرٰی ج ۴ ص ۴۳) "حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین خصلتیں لوگوں نے چھوڑ دی ہیں۔ ان میں سے ایک جنازہ میں نماز کی طرح سلام پھیرنا ہے"۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ایک طرف سلام پھیرنا بھی جائز ہے۔

ھٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب؛

© rasailojaraid.com